یکم ستمبر ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۳۳

اس شمارے میں

اداریہ

اترپردیش میں

اردو کے لئے کیا ہو؟

اترپردیش کی حکومت اب یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اردو کو اترپردیش کی دوسری زبان تسلیم کرنے کے علاوہ اردو کے لئے اور سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ بات کئی سال پہلے چرن سنگھ بھی کہہ چکے ہیں۔ بہرحال آج مناسب ہوگا اگر ہم اس "اور سب کچھ" کے سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر واضح کردیں۔

اردو دوستوں کو اب صرف چند خوش آئند الفاظ اور مبہم وعدوں سے بہلایا نہیں جاسکتا۔ وہ اپنے جمہوری حقوق کو پہچانتے ہیں اور اپنے جمہوری فرائض بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔

سب سے پہلے ہم اس بات کا نہایت صاف اور واضح اور قطعی الفاظ میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اردو کی تعلیم اور چلن کا مطالبہ کسی طرح اترپردیش میں ہندی کی اہمیت کو کم نہیں کرتا۔ ہم تعلیم کی ہر منزل پر ہندی کی پڑھائی کا اچھا اور ضروری معیار چاہتے ہیں اور اردو دوستوں کی طرف سے یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ ہندی کے اس اچھے اور ضروری معیار سے کسی کم معیار پر نہ راضی ہیں نہ مطمئن۔ وہ جانتے ہیں کہ اترپردیش کی سرکاری اور علاقائی زبان اور مرکز کی سرکاری زبان ہندی سے بھی ہر اردو بولنے والے کو اچھی طرح واقف ہونا چاہئے۔

اس بات کو واضح کرنے کے بعد ہم یہ بات بھی واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ابتدائی منزل پر اردو کو ایک مضمون کی حیثیت سے پڑھانا کافی نہیں۔ اردو کے ذریعہ سے ابتدائی تعلیم کا تسلی بخش انتظام ہونا چاہئے۔ دفعہ الف ۳۵۰ کا یہی مطلب ہے۔ اس سلسلے میں دقت دس اور چالیس کے فارمولے سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی ایک درجے میں دس اور ایک اسکول میں چالیس طلبہ ہوں تو انتظام کیا جائے۔ دس اور چالیس کی شرط اس وجہ سے پوری نہیں ہوتی کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی اس سفارش پر عمل نہیں ہوا کہ داخلے کے لئے کچھ پیشتر سے رجسٹر رکھے جائیں۔ اس لئے اس فارمولے کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اس کے بجائے پانچ اور بیس کے فارمولے کو آزمانا چاہئے۔ یعنی اگر پانچ طالب علم ایک درجے میں اور بیس طالب علم ایک اسکول میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو اس کا فوراً انتظام کیا جائے۔ یہاں یہ

فی کاپی: ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ دراصل چونکہ ابتدائی تعلیم مفت اور عام طور پر دینا ہمارے بنیادی فرائض میں ہے اس لئے اس مطالبے کی بھی واقعی ضرورت نہیں۔ حکومت کو خود ہی ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق ان اضلاع میں جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، فوراً ایسے درجے اور اسکول کھولنے چاہئیں۔ اس میں کوئی بڑی دقت نہیں ہے۔ صرف اعداد و شمار جمع کرکے استاد مہیا کرنے ہیں جن کی تربیت کے لئے ایک طرف نارمل اسکول کھولنے چاہئیں دوسری طرف موجودہ شرائط کو نرم کر دینا چاہئے تاکہ استاد جلد مہیا ہو سکیں۔

اس کے ساتھ یہ بات کہنا بھی ضروری ہے کہ مکتبوں اور اسلامیہ مدارس میں جو تعلیم اردو کے ذریعہ سے جاری ہے، وہ جاری رہنا چاہئے مگر ہم اسے کسی طرح اپنی ضرورت کے لئے کافی نہیں سمجھتے۔ ہم عام اسکولوں میں، یعنی ان اسکولوں میں جن میں اترپردیش کے عام شہری بلا لحاظ مذہب و ملت پڑھتے ہیں، اردو کے ذریعہ سے تعلیم چاہتے ہیں۔ اگر اردو پردیش کا مجوزہ اردو کا نگراں اور اس کی مجوزہ اردو اکاڈمی یہ فرض پورا کردے تو ہم اس کی افادیت کو تسلیم کرلیں گے۔

ابتدائی تعلیم کے لئے طالب علم، استادوں، کتابوں سبھی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تعلیم کی سہولت اسی وقت حقیقی معنی میں میسر ہوتی ہے جب استاد بھی فراہم ہوں اور مناسب اور موزوں کتابیں بھی۔ دفترشاہی کے قوانین اور مالیات کی کمی کے عذر سے ہم مطمئن نہیں ہو سکتے۔ ان سب باتوں پر پوری توجہ ضروری ہے۔

اگر کسی ضلع میں سو ایسے پرائمری اسکول ہوں جن میں اردو کے ذریعہ سے تعلیم دی جا سکتی ہے تو کم سے کم دس ایسے ثانوی اسکول ہونے چاہئیں، جہاں ثانوی تعلیم اردو کے ذریعہ سے دی جا سکے اس سلسلے میں ضروری ہے کہ حکومت اسکول کی طرف سے اس درخواست کا انتظار نہ کرے کہ وہ اردو کے ذریعہ سے تعلیم دینا چاہتا ہے، بلکہ خود تمام اسکولوں سے دریافت کرے اور اس سلسلے میں اعداد و شمار حاصل کرکے فوراً ثانوی منزل پر تعلیم کا انتظام کرے۔ ایسے اسکولوں کی تعداد خاصی ہوگی جو اردو کا ایک کلاس کھولنے پر تیار ہوں گے یعنی وہ اردو اور ہندی دونوں کے ذریعہ سے تعلیم کا انتظام کرنا چاہیں گے۔ مگر ایسے اسکول بھی قابل لحاظ تعداد میں ہوں گے جو صرف اردو کے ذریعہ سے تعلیم دینے کے لئے تیار ہوں گے۔ دونوں صورتوں میں موجودہ دس اور چالیس کے فارمولے یا درجے کی ایک تہائی کی تعداد کی شرط کے بجائے، ایک درجے کے لئے پانچ اور ایک اسکول میں بیس (چھٹے سے دسویں تک) کی تعداد کا مطالبہ کافی ہوگا۔ ان ثانوی اسکولوں کے لئے بھی استادوں اور کتابوں کی فراہمی پر سب سے پہلے توجہ ضروری ہوگی۔

اس کے ساتھ یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ ابتدائی اور ثانوی منزل پر اردو کے ذریعہ سے تعلیم دینے کا مسئلہ علیحدہ ہے اور اردو کو سہ لسانی فارمولے کے تحت ایک تیسری زبان کے طور پر پڑھانے کا مسئلہ علیحدہ۔ اس سلسلے میں اترپردیش کی حکومت کا جدید ہندستانی زبانوں کے بجائے کسی ہندوستانی زبان پر اصرار تاکہ سنسکرت کے لئے گنجائش نکل آئے غلط ہے۔ یہاں ایک جدید ہندوستانی زبان پڑھانے پر اصرار کرنا چاہئے تاکہ طالب علم ہندی اور انگریزی کے علاوہ اردو، بنگالی، پنجابی یا جنوبی ہند کی کوئی زبان پڑھ سکے۔ سہ لسانی فارمولے کے تحت زبان پڑھانے کا انتظام کافی نہیں۔ اس کے لئے کتابیں بھی تیار کرنی چاہئیں۔

بنیادی مسئلہ ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے انتظام کا ہے۔ کالجوں کی منزل اس کے بعد آتی ہے۔ اس پر اور دوسرے پہلوؤں پر ہم اگلی اشاعت میں اظہار خیال کریں گے۔

(باقی)

نوخواندوں کے لئے کتابوں پر انعام

نئی دہلی: نوخواندوں کے لئے کتابوں کے پندرھویں مقابلہ میں ۲۵ ادیبوں کی کتابوں اور مسودوں پر انعام دیئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے۔

اردو کے ادیب صفدر حسین کو ان کی کتاب "ہماری اندرا گاندھی" پر انعام ملا۔ اردو اور ہندی کے علاوہ دوسری زبانوں کے ادیبوں کی کتابوں پر بھی انعام دیا گیا۔ انعام کی رقم ایک ہزار روپے ہے۔

قومی آواز لکھنؤ

راز بلگرامی کا انتقال

بلگرام (ہردوئی): بلگرام کے آخری ادیب شاعر اور مذہبی لیڈر سید شریف الحسن راز بلگرامی کا انتقال ۷۵ سال کی عمر ۱۷ اگست کو ہو گیا۔ راز بلگرامی صاحب کانگریس کے ایک بڑے رکن رہے۔ انھوں نے دو لڑکے دو لڑکیاں یادگار چھوڑے۔

قومی آواز لکھنؤ

ڈاکٹر احمد لاری

غالب کی ایک غزل

کا نیا ماخذ

مولانا حسرت موہانی نے اپنے مرتبہ "دیوان غالب اردو مع شرح"[1] میں بطور ضمیمہ چھتیس ایسے اشعار بھی دئے ہیں جو متداول دیوان میں نہیں ملتے۔ ان میں سے پچیس اشعار تو "گل رعنا"[2] سے لئے گئے ہیں، باقی گیارہ اشعار کسی ماخذ کا حوالہ دئے بغیر درج کئے گئے ہیں۔ ان گیارہ اشعار میں سے چار اشعار اس غزل کے ہیں جس کا مطلع یہ ہے ؎

میں ہوں مشتاق جفا مجھ پہ جفا اور سہی
تم ہو بیداد سے خوش اس سے سوا اور سہی

اور سات اشعار کی ایک مکمل غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

لطف نظارۂ قاتل دم بسمل آئے
جان جائے تو بلا سے پہ کہیں دل آئے

اب تک کی معلومات کے مطابق سب سے پہلے مولانا حسرت موہانی نے اس غزل کو شائع کیا تھا۔ چنانچہ مولانا امتیاز علی عرشی اور جناب مالک رام نے اسے حسرت کے حوالے سے ہی اپنے اپنے مرتبہ دیوان غالب میں شامل کیا ہے۔ لیکن راقم السطور کو اخبار "کارنامہ" لکھنؤ کی ایک فائل دستیاب ہوئی ہے، جس کی جلد ۳ کے شمارہ ۲۲ میں یہ غزل درج ہے۔

بقول گارساں دتاسی اخبار "کارنامہ" ۱۸۶۵ء میں نکلتا تھا۔[1] دتاسی کی نظر سے یہ اخبار نہیں گزرا تھا، صرف دوسرے اخباروں میں اس کا حوالہ ملا تھا اسی لئے وہ اس کے متعلق پوری معلومات نہیں فراہم کر سکا۔ لہٰذا دستیاب شدہ فائل کی روشنی میں یہاں اس اخبار کا مختصر تعارف پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"کارنامہ" ایک ہفتہ وار اخبار تھا اور لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ اس کے اڈیٹر سید فدا حسن خاں تھے۔ پہلے یہ مطبع نجم العلوم، فرنگی محل میں چھپتا تھا، بعد میں مطبع کارنامہ گولا گنج میں چھپنے لگا۔ پرنٹ لائن پر پہلے یہ عبارت ہوتی تھی:

"حسب ارشاد سید
فدا حسن خاں صاحب
بہ اہتمام سید محمد مخدوم
مطبع نجم العلوم لکھنؤ
واقع فرنگی محل میں
چھپا۔"

جب یہ مطبع کارنامہ گولا گنج میں چھپنے لگا تو پرنٹ لائن کی عبارت اس طرح لکھی جانے لگی

"حسب ارشاد سید
فدا حسن باہتمام
احقر العباد محمد
یعقوب مطبع کارنامہ
لکھنؤ واقع گولا گنج
میں چھپا۔"

یہ اخبار اٹھارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ صفحات ۱۷ اور ۱۸ منظومات کے لئے وقف تھے، جن پر قدیم اساتذہ اور مشاہیر شعرا کا کلام چھپتا تھا۔ عنوان کی عبارت

علی عباس امید

غزل

پھر کوئی دست تہ سنگ ہوا ہے شاید
سلسلہ اور بھی کچھ تنگ ہوا ہے شاید

صبح کے پاس ہے پژمردہ شگوفوں کا لباس
پیرہن شام کا بے رنگ ہوا ہے شاید

بج رہے ہیں مرے کانوں میں حقائق کے رباب
ارتقا مجھ سے ہم آہنگ ہوا ہے شاید

آئینہ چور ہوا بکھر گئی ریزوں کی بساط
شیشہ گر آکے یہاں دنگ ہوا ہے شاید

میرے احساس کی وادی میں شگفتہ ہیں گلاب
داغ دل کا لہو رنگ ہوا ہے شاید

جاگتے خون کی بو آس کے صحرا میں نہیں
غم کا دامن بھی بہت تنگ ہوا ہے شاید

سبز لمحات بھی اب سرخ ہوئے ہیں امید
حادثہ کوئی پئے جنگ ہوا ہے شاید

[1] حسرت کی زندگی میں اس کے پانچ اڈیشن بالترتیب ۱۹۰۵ء، ۱۹۰۷ء، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئے۔ راقم السطور کے پیش نظر تیسرا اور چوتھا اڈیشن ہے۔

[2] حسرت کے پاس "گل رعنا" کا ایک ناقص نسخہ تھا۔

[3] حسرت نے صرف مطلع، مقطع اور دو شعر دئے ہیں حالانکہ پوری غزل (۹ شعر) اردوئے معلیٰ میں موجود ہے۔ غالباً حسرت نے یہ اشعار کسی اور ماخذ سے لئے ہیں۔ اس قیاس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ "دیوان غالب اردو مع شرح" میں ایک مصرعہ اس طرح ملتا ہے:

(باقی کالم ۲ پر)

(باقی نوٹ کالم ایک کا) تا خلد میں کہئے "تو دوزخ کو ملا لیں یارب"
جب کہ "اردوئے معلیٰ" میں یہ مصرعہ اس طرح ہے:
تاکہیں خلد میں دوزخ کو ملا لیں یارب

[1] خطبات گارساں دتاسی ص ۳۵۵۔

یہ ہوتی تھی :

" نظم بے نظیر کلام پر تاثیر شعرائے ذی کمال خوش
فکر نازک خیال جہت تفریح طبائع سخن فہمان
و سرور خواطر نکتہ سنجان درج اخبار ہے بدیہ
ناظرین والا تبار ہے "

راقم السطور کے پیش نظر " کارنامہ " کی جو فائل ہے وہ جلد (۱)، شمارہ (۶) تا جلد (۶)، شمارہ (۳۹) کے منظومات کے صفحات پر مشتمل ہے۔ کسی خوش ذوق نے منظومات کے صفحات کو اخبار سے الگ کرکے یکجا کردیا ہے اور اس کی شیرازہ بندی کرا کے سر ورق پر ہاتھ سے یہ عبارت لکھی یا لکھوائی ہے :

" ہو المستعان
تین سو شعرائے نامی متقدمین و متاخرین صاحب
دیوان موجد و محقق اردو زبان کے منتخب غزلیات
ردیف وار و رباعیات و مخمس و مسدس انامی
جن کی سند اردو میں لی جاتی ہے جمع کرکے نام
اس کا ذخیرہ کلام دلربا قرار دیا ہے سخن سنجان
عالی فہم نے انتخاب کیا ہے گویا بحر فصاحت و بلاغت
کو کوزہ میں بند کیا ہے یقین ہے جو سخن شناس نظر
انصاف سے مطالعہ کریں تو کوشش کی داد دیں

مطبوعہ کارنامہ "

جلد (۱) میں شمارہ (۶) تا (۲۲) کے منظومات کے صفحات ہیں۔ جلد ۲، ۳، ۴ اور ۵ میں ہر ایک میں ۵۲ شماروں کے منظومات کے صفحات ہیں۔ جلد (۶) شمارہ (۱) تا (۳۹) کے منظومات کے صفحات پر مشتمل ہے۔ ۳۹ ویں شمارے کے آخر میں " تمام شد " درج ہے۔ گویا اس فائل میں جلد (۱) کے شروع کے پانچ شماروں کے صفحات غائب ہیں، ورنہ حصۂ منظومات کی حد تک ہر لحاظ سے یہ فائل مکمل ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جلد (۱) کے شمارہ (۶) سے ہی منظومات کا حصہ شائع ہونا شروع ہوا ہو۔

گارساں دتاسی کے بیان کے پیش نظر اگر یہ قیاس کرلیا جائے کہ یہ اخبار ۱۸۶۵ء میں نکلنا شروع ہوا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کا پہلا شمارہ آخر جولائی یا ابتدائے اگست ۱۸۶۵ء میں منظر عام پر آیا اور کم از کم آخر ستمبر ۱۸۷۰ء تک یہ برابر نکلتا رہا۔ اس کے بعد بھی یہ اخبار جاری رہا یا بند ہوگیا، اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں۔

اس اخبار کے منظومات کا حصہ ایک خاص منصوبے کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ جلد (۱)، (۲) اور (۳) میں ردیف وار غزلیں ہیں۔ جلد (۴) شمارہ (۱) تا (۹) میں رباعیات اور قطعات ہیں۔ جلد (۴) شمارہ (۱۰) تا جلد (۶) شمارہ (۱۰) مخمسوں کے لئے وقف ہے۔ جلد (۶) شمارہ (۱۱) تا شمارہ (۳۹) مثنویوں کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدیر اخبار اپنے قارئین کو ایک بیاض فراہم کرنا چاہتا تھا۔ " چمن بے نظیر " " مجمع الاشعار " " باغ خیر " اور دوسری بیاضوں کی طرح اس سے کل شعرا کے کلام کی تاریخی ترتیب اور اس کے متن کی تصحیح میں مدد مل سکتی ہے۔

" اخبار کارنامہ " کی اس فائل کی کے دستیاب ہونے کے بعد غالب کی مذکورہ بالا غزل کی اشاعت کی اولیت کا سہرا حسرت سے چھن جاتا ہے۔ " کارنامہ " میں یہ غزل غالب کی زندگی ہی میں (یعنی ستمبر ۱۸۶۶ء میں یا اس سے قبل) شائع ہو چکی تھی۔ چونکہ " کارنامہ " پہلے فرنگی محل کے مطبع نجم العلوم میں چھپتا تھا، اس لئے اس کا امکان ہے کہ اس اخبار کی فائل فرنگی محل کے کتب خانے میں محفوظ رہی ہو۔ فرنگی محل سے حسرت کے تعلقات اظہر من الشمس ہیں، لہذا یہ قیاس کرنا بیجا نہ ہوگا کہ حسرت نے اسی اخبار سے یہ غزل لے کر اپنے مرتبہ دیوان میں شامل کی ہوگی۔

مراسلات

نودریافت مخطوطۂ غالب کے بارے میں

ڈاکٹر انصار اللہ نظر اور ڈاکٹر سید حامد حسین کے حالیہ مراسلوں کے بارے میں صرف ایک ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔

میرے لیے کسی سند کے مصنف کے نام کی اصولی اہمیت ہے۔ تحقیق اور تنقید دونوں میں یہ بات یکساں طور پر اہم ہے کہ رائے کا دینے والا کون ہے۔ محقق کے تحقیقی اکتسابات اور تجربے کی مدت کے تناسب سے اس کی رائے کی قیمت متعین ہوگی۔ یہ نام پرستی نہیں پایۂ استناد کا لحاظ ہے۔ اگر قاضی عبدالودود یہ کہتے ہیں کہ شاہ مبارک آبرو کا فلاں سال میں انتقال ہوا تو میں اس رائے پر زیادہ اطمینان سے بھروسہ کرسکوں گا بہ نسبت ایک ایم۔ اے۔ کے طالب علم کے اسی قسم کے فیصلے کے۔ ایک بار میں اپنی ریسرچ کے سلسلے میں مسعود حسن رضوی صاحب سے ملا۔ انھوں نے سلطان واجد علی شاہ کی مثنویوں کی صحیح تعداد مجھے بتائی اور کہا کہ آپ میری سند پر لکھ دیجیے کہ واجد علی شاہ کی کل مثنویاں اتنی اور فلاں فلاں ہیں۔ ان کے تحقیقی مقام اور تجربے کی بنا پر میں نے ان کا بیان قبول کرلیا۔ اگر کوئی نوکشن یہی بات کہتا تو میں مزید تائید کے بغیر نہ مانتا۔ نظر صاحب کے محولہ مکاتیب کا کاتب اگر کوئی مجہول الاسم شخص ہوتا تو ان کے مشمولات کی بہت کم اہمیت تھی۔ یہ جاننے کے بعد کہ ان میں سے ایک ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی جیسے محقق کی تحریر ہے اس کی اہمیت بڑھ گئی۔

ہاں اگر کوئی حقیقتِ واقعی (FACT) کوئی مبتدی بھی درج کرے تو اس کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کسی پرانے محقق کے بیان کی مثلاً اگر کوئی مجہول الاسم شخص کراچی سے عیارالشعرا کا نسخہ دیکھ کر لکھتا ہے کہ اس نسخے کے ضمیمے میں غالب کا ترجمہ غالب تخلص کے ساتھ ہے تو اس کی یہ بات قبول کرنے میں ہمیں عذر نہ ہوگا۔

میں پھر کہتا ہوں کہ مخطوطۂ دیوان غالب کے کاتب کی مزید بحث بے سود ہے۔ جناب عرشی، جناب مالک رام، اکبر علی خاں، نثار احمد فاروقی اور ڈاکٹر ابو محمد سحر ہندوستان میں اور مولانا غلام رسول مہر[1]، ڈاکٹر وحید قریشی[2]، پروفیسر وزیرالحسن عابدی اور سید قدرت نقوی پاکستان میں اس نسخے کو مخطوطۂ غالب مانتے ہیں۔ ڈاکٹر انصار اللہ نظر، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر سید حامد حسین اور کمال احمد صدیقی اسے بدستِ غیر مانتے ہیں۔ موجودہ معلومات کی روشنی میں ایک فریق دوسرے کو قائل نہیں کرسکتا۔

ڈاکٹر حامد حسین سے میں عرض کروں گا کہ وہ محذوف تخلص کے مقطعوں کی غزلوں کے صرف ایک نکتے پر توجہ کریں۔ ان ۵۸ غزلوں میں صرف دو ایسی ہیں جو کسی اور مجموعے میں نہیں ملتیں۔ بقیہ ۵۶ میں سے بیشتر یا سب نسخۂ بھوپال اوّل یا نسخۂ شیرانی میں ملتی ہیں۔ کم از کم نسخۂ شیرانی غالب کی نظر سے گزر چکا ہے۔ تین غزلیں ایسی بھی ہیں جو اشعار اور متن کے جزوی اشتراک کے ساتھ متداول دیوان میں ملتی ہیں وہ تین غزلیں یہ ہیں۔

گلشن میں بند و بست بہ ضبطِ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرونِ در ہے آج

. . . .

شعلۂ جوّالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

اور اس مقطع والی

جاں درہوائے یک نگہ گرم ہے اسد
پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا

نودریافت دیوان میں اس مقطع سے تخلص محذوف ہے اور متداول دیوان میں موجود۔ مجھے علم نہیں کہ کسی محقق نے نسخۂ بھوپال، نسخۂ شیرانی اور متداول دیوان کی بعض غزلوں کو الحاقی قرار دیا ہو۔ اگر محذوف تخلص کے باوجود ۵۶ غزلیں غالب کے دوسرے نسخوں کی تائید پر غالب ہی کی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تخلص کا حذف ہونا خواہ کسی وجہ سے ہو اس وجہ سے نہیں کہ اصلاً ان میں کسی دوسرے شاعر کا تخلص تھا جسے بدلنے کے لئے حذف کردیا گیا۔ نسخۂ شیرانی اور متداول دیوان غالب کی نظر سے گزر چکے ہیں۔ اگر نودریافت دیوان غالب کی تحریر نہ بھی ہو تو بھی نسخۂ شیرانی اور متداول میں ان غزلوں کے شمول پر خاموش رہنے کی وجہ سے یہ ماننا ہوگا کہ غالب ان غزلوں کو اپنی تصنیف قرار دیتے تھے۔ اب اگر کوئی غالب کو اتنا بڑا سارق کہے کہ اس نے دیدہ دلیری سے کسی دوسرے کی اتنی ساری غزلیں اپنی متاع بنالیں تو میں اس سے اتفاق نہیں کرسکتا۔

جموں۔ • گیان چند جین

---

[1] یاضِ غالب کی دریافت۔ رسالہ نقوش بابت جولائی ۱۹۶۹ء
[2] ردِّ نقوش ایضاً ص ۴۰۵
[3] اردو نامہ جولائی ستمبر ۱۹۶۹ء میں مضمون۔

(۲)

عرصہ دو سال کا ہوا بھوپال سے امروہہ کے ایک تاجر ایک قلمی دیوان خرید کر لے گئے تھے جس کے بارے میں بڑے بڑے فضلاء کی اب یہ رائے ہے کہ وہ خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک میرا علم ہے اس کی حقیقت کچھ اور ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ بھوپال میں ایک صحافی ہوا کرتے تھے جوہر قریشی جن کی طباعی اور چٹکلے بازی سے بھوپال والے بخوبی واقف ہیں۔ بھوپال میں انھوں نے کئی اخبار نکالے جو اپنے لطیفوں کا ذخیرہ اور بڑے بڑے لوگوں پر چوٹوں کی وجہ سے خوب چلے۔ انھیں جوہر قریشی نے غالب کے نام سے اس غزل کی تشہیر کی تھی جس میں غالب کے بھوپال آنے کا ذکر تھا اور جو مولوی خلیل ابراہیم خدا انھیں غریق رحمت کرے نے لکھی تھی۔ جب اس غزل کو لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑے بڑے علماء اور فضلاء چکر کھا گئے تو جوہر صاحب کا خیال تھا کہ اب اس سے بڑا مذاق کیا جائے تاکہ ان علما کے علم کی پول کھل سکے۔ انھوں نے ایک بار میرے سامنے باتوں باتوں میں یہ تذکرہ بھی کیا تھا کہ ابھی تو ہم نے ان چغدوں کو ایک غزل دی ہے تو بغلیں بجا رہے ہیں اگر ان کو پورا دیوان مل جائے تو یہ تو اپنے کپڑے بھی اتار پھینکیں گے۔ بعد میں انھوں نے مجھ سے دیوان غالب نسخہ حمیدیہ بھی منگوایا تھا جو پھر میرے پاس واپس نہیں آیا۔ جوہر صاحب کے اخبار کی کتابت کرنے والے ایک کاتب نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ جوہر صاحب کسی دیوان کی نقل کرا رہے ہیں مجھے یہ تو معلوم تھا کہ جوہر صاحب خود کہاں کے ایسے شاعر ہیں کہ اپنا دیوان مرتب کروائیں۔ میرے استفسار پر کاتب نے بتایا تھا کہ ابھی جوہر صاحب مقطعوں میں تخلص نہیں لکھوا رہے۔ اس کے بعد بعض مجبوریوں سے میں باہر چلا گیا جب بھوپال آیا تو جوہر صاحب کی صورت دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ اب یہ دیوان جو بھوپال سے ملا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ جوہر صاحب کے مذاق کا نتیجہ ہے یا یہ کوئی اور دیوان ہے۔ اگر یہ دیوان جوہر صاحب کا ہی کرشمہ ہے تو کمال ہے کہ بعد از مرگ بھی اپریل ۱۹۶۹ء میں جوہر صاحب نے پھر سب کو اپریل فول بنا دیا۔ میں نے بہت پہلے یہ بات آپ کے گوش گزار کرنے کا سوچا تھا لیکن جب معاملہ عدالت تک پہنچ گیا تو خاموش رہنے میں ہی مصلحت سمجھی۔ فقط

عبدالعزیز خاں

(عبدالعزیز خاں صاحب کا یہ مراسلہ اپریل میں ملا تھا۔ چونکہ اس میں اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں دی گئی ہے اس لئے اس کی اشاعت مناسب نہ معلوم ہوئی۔ اب محبی ڈاکٹر گیان چند کے اصرار پر اسے شائع کیا جاتا ہے۔ بھوپال کے علم دوستوں سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں مناسب تحقیق کر کے ہمیں مطلع کریں گے۔ (ادارہ ہماری زبان)

استفسار

میرے پاس ایک دیوان فارسی کا ہے جس کے شروع اور آخر کے اوراق نہیں ہیں۔ صاحب دیوان نے اکثر مقطعوں میں حسرت تخلص لکھا ہے اور بعض میں سعید بھی لکھا ہے۔ اس دیوان میں ایک غزل دال کی ردیف میں عظیم آباد کی تعریف میں ہے جس کا مقطع حسب ذیل ہے ؎

چرا سخن نہ سرایم بمدح آں حسرت
کہ ہست مولد و منشا من عظیم آباد

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صاحب دیوان عظیم آباد کے رہنے والے تھے۔ امید ہے کہ قارئین ہماری زبان میں سے کوئی صاحب ہماری زبان ہی کے ذریعہ سے یہ بتانے کی زحمت فرمائیں کہ صاحب دیوان کس سن میں تھے اور کب انتقال ہوا۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ دیوان مکمل صورت میں ہو تو براہ کرم تحفتہً یا قیمتہً مجھے عنایت فرما دیں بڑا کرم ہوگا۔

بر کریماں کارہا دشوار نیست

عبدالعلی خاں یحیٰی پور ڈاکخانہ قائم گنج ضلع فرخ آباد۔

انجمن کی خبریں

رائے دہندگان کی فہرستیں اور اردو

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے جنرل سکریٹری مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ایسے تمام شہروں اور قصبات میں جہاں کم از کم دس فیصد اردو بولنے والے موجود ہوں رائے دہندوں کی فہرستیں اردو میں شائع کی جائیں حیدرآباد و سکندرآباد کے میونسپل علاقے تو قریب قریب آدھی آبادی والے اردو علاقے ہیں یہاں بھی اردو کے استعمال سے گریز کیا جائے تو یہ زبان کہاں کام میں لائی جائے گی کوئی زبان اسی وقت باقی رہتی اور ترقی کرتی ہے جب اس کو کام میں لانے کی زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں۔ اگر اردو کو اس طرح ایک شعبے سے نکالا جائے گا تو ترقی کرنا تو ایک طرف خود اس کا وجود ہی معرض خطر میں پڑ جائے گا اور وہ محض ایک بولی بن کر رہ جائے گی۔ ریاست آندھرا پردیش کے ارباب اقتدار اردو کے ساتھ اپنی رواداری کا بڑا چرچا کرتے رہتے ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ لوگ کسی حکومت کو اس کے پروپیگنڈے سے نہیں بلکہ عمل سے جانچتے ہیں۔ ریاستی مقننہ کے تمام انصاف پسند اراکین کا فرض ہے کہ وہ اس ناانصافی کو روکنے کوشش کریں۔

• الجمعیۃ دہلی

ہر ضلع پر اردو ڈگری کالج کے قیام کا مطالبہ

سنگا ریڈی:- انجمن ترقی اردو شاخ سنگا ریڈی کا اجلاس جناب کے کرشنا چاری ایڈوکیٹ نائب صدر انجمن کی زیر صدارت منعقد ہوا اور اس میں جناب سر نیواس لاہوٹی معتمد تنظیمی انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے بھی شرکت کی۔ جناب محمد حسین خاں نے ہر ضلع ہیڈ کوارٹر پر ایک اردو ڈگری کالج کے قیام کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے ملازمین کی سہولت کے لیے منتقر پر ایوننگ کالج کے قیام کی مانگ کی جناب فصیح الدین صدیقی رکن حافظ پرائمری اسکولوں میں متوازی اردو جماعتوں کے قیام اور اردو کے اساتذہ کے انتظام کی جانب ارباب مجاز کی توجہ مبذول کرائی۔ جناب سر نیواس لاہوٹی نے بھی اپنی تقریر میں اردو ڈگری کالجوں کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔

• سیاست حیدرآباد

—— کے ——

مترجم بسیم ناتھ دت

رگوید۔ VII - ۴۹

پانی

طوفان سے نکل کر پانی، سمندر جس کا ماداہے خواب نا آشنا ہے خس و خاشاک کو لے برابر بہے جا رہا ہے۔
اندر دیوتا سانڈ کی طرح گرجتے کڑکتے والا اس کے لیے راستہ صاف کر دیتا ہے۔
اسے دیوی دعا ہے کہ اس دنیا میں یہ پانی میری حفاظت کرتا رہے۔

—

پانی جو آسمان سے برستا ہے یا وہ جو زمین سے پھوٹ کر بے شعور چلا جا رہا ہے، یا وہ شفاف وسعت بخش پانی جو اپنے فطری رجحان سے سمندر کی طرف تیز رفتاری سے بہہ رہا ہے۔
اسے دیوی دعا ہے، کہ اس جہان میں یہ پانی میری حفاظت کرتا رہے۔

—

پانی جس کا وہ عالی وقار ورونا رفیق راہ ہے جو سچ کو جھوٹ سے الگ کر دیتا ہے، اسی طرح آلائشوں کو مٹا کر پانی کو صاف شفاف کر دیتا ہے۔
اسے دیوی دعا ہے کہ اس دنیا میں یہ پانی میری حفاظت کرتا رہے۔

—

وہ پانی جسے پی کر ورونا، سوما اور دوسرے دیوی دیوتا تقویت و توانائی پاتے ہیں۔
وہ جس میں اگنی دیوتا گھر کر گیا ہے۔
اسے دیوی! دعا ہے کہ اس دنیا میں یہ پانی میری حفاظت کرے۔

لہ پانی کا دیوتا۔

اخبار و افکار

اردو کے لئے دستوری حق دینے کا مطالبہ

لکھنؤ:- یو۔پی اسمبلی میں وزارت تعلیم کے مطالبہ زر پر ہونے والے مباحثہ میں حصہ لیتے ہوئے حکمراں کانگریس کے شری اشفاق حسین نے اردو کو دستوری حق اور اس کی صحیح حیثیت دینے پر اظہار کرتے ہوئے کہا کہ دستور میں جن ۱۴ زبانوں کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک اردو بھی ہے لیکن ۱۳ دوسری زبانوں کے لئے تو علاقہ مخصوص ہے لیکن بدقسمتی سے اردو کے لئے کسی علاقہ کو مخصوص نہیں کیا گیا۔ میں چاہوں گا کہ یو۔پی میں اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ اردو کا مستقبل تب ہی روشن ہوگا۔

انھوں نے مہاتما گاندھی کی تحریروں، تقریروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کے بعد ہندوستان کی زبان ہندوستانی ہوگی جو دیوناگری اور فارسی رسم الخط میں لکھی جائے گی۔ مہاتما جی کی یقین دہانی کی حکومت کو پابندی کرنا چاہئے اور اس یقین دہانی کا شری جواہر لال نہرو نے بھی بار بار اعادہ کیا اور کہا کہ اردو کو جائز مقام ملنا چاہئے۔

اس سال محکمہ اطلاعات نے ایک کتابچہ شائع کیا ہے جس میں وزیر اعلیٰ نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اردو ہماری زبان ہے ایک قومی زبان ہے اور فوجداری، مال، دیوانی اور دوسرے دفتروں میں درخواستیں اردو میں دی جاتی اور وصول کی جاتی ہیں۔ یہ مبارک خیال ہے لیکن افسوس کے ساتھ میں وزیر اعلیٰ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ عملاً ایسا نہیں ہوتا ہے نہ درخواستیں اردو میں لی جاتی ہیں اور نہ دی جاتی ہیں۔

وزیر اعلیٰ کے نیک خیالات و جذبات سے اردو کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی ترقی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وزیر اعلیٰ کا کوئی صاف صاف اعلان عدالتوں اور دفتروں میں اردو کی درخواستیں قبول کرنے کے لئے نہ ہو۔ جب تک حیثیت کا تعین نہ ہوگا صرف زبانی جمع خرچ سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔

° سیاست جدید کانپور

اردو کے سلسلے میں وزیر اعلیٰ کو کھلا خط

مولانا الحاج احمد مکرم کاظمی صاحب نے وزیر اعلیٰ اترپردیش کو ایک کھلا خط بھیجا ہے جس کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔ ادارہ

۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا۔ آزادی کے وقت چونکہ یو۔پی، بہار، پنجاب، راجستھان، دہلی اور حیدرآباد دکن وغیرہ میں اردو ہی اردو تھی۔ اس لئے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ زبان اردو نے ہندوستان آزاد کرایا ہے لیکن ملک آزاد ہوتے ہی اردو کو غلام بنا دیا گیا۔ بلکہ صرف ہندی کو ملک کی سرکاری زبان مان کر اردو کو مٹانے کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس پر گاندھی جی نے اپنے تار میں یوں فرمایا تھا "اس سے مجھے دکھ ہو رہا ہے" گاندھی جی کو باپو ماننے والو! اور ان کے اصولوں پر چلنے کا ڈھنڈورا پیٹنے والو! سمجھو یہ تار کیا بول رہا ہے۔

جو حکومت آئی ہے وہ نام کے لئے نئے نئے ڈھونگ رچاتی ہے کسی نے اردو بورڈ بنایا، کسی نے اقلیت کمیشن، اسپیشل افسر لسانی اقلیتی افسر، کسی نے ایڈیشنل ڈائرکٹر اور کسی نے اردو گھر بنا دکھایا مگر ہوا کچھ نہیں، محض عنوان اردو کو بہلایا ہی نہیں بہکایا اور رجھایا جا رہا ہے۔

ٹھیک اسی طرح آپ کی حکومت نے اردو اکیڈمی کا فیصلہ کیا ہے جو کہ کتابوں کا انتظام کرے گی، مصنفوں کی خدمت کرے گی اور ساتھ ہی یہ بھی فخریہ اعلان ہوا ہے کہ بچوں کی ابتدائی اردو تعلیم کی سہولت کے لئے اگر کسی اسکول میں ۴۰ یا کسی درجہ میں دس سے کم طلبہ ہوں گے (تو اس اسکول میں نہیں) کسی دوسرے قریبی اسکول میں داخلہ کرایا جائے گا (چاہے وہ قریبی اسکول بچوں کے گھر سے دور ہی کیوں نہ ہو) سبحان اللہ! وزیر اعلیٰ سے میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ لوگ سوتے سوتے چونکتے ہیں، یا سوتے ہی میں بولتے ہیں اجی حضرت! چالیس یا دس کی قید آج سے ۱۲ سال پہلے ختم ہو چکی ہے۔ اس سلسلے میں ۱۹۵۹ء سے اب تک حکومت اور متعلقہ افسران کے کئی سرکلر اور واضح بیان موجود ہیں جن کی رو سے اردو پڑھنے والے پانچ یا پانچ سے کم طلبہ کے لئے بھی کئی اسکولوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

آپ کی حکومت بننے کے بعد آپ سے ملنے اور اردو کی تعلیمی شکایات کے لئے دن تاریخ وقت مقرر کرنے کے لئے پہلے ۱۱ رجون ۱۹۷۱ء پھر ۲۱ رجولائی ۱۹۷۱ء کو رجسٹری چٹھی بھیجی مگر ملاقات اب تک نہ ہو سکی۔ میں پوچھتا ہوں اردو اکیڈمی سے کیا فائدہ اور بورڈ آف اردو کی کیا ضرورت، جب اردو پڑھنے والے نہیں رہیں گے اور اردو ماسٹر نہ ملیں گے۔

ان تمام شکایتوں کا حل تین صورتوں سے ہو سکتا ہے اول تمام صوبہ میں اردو کو ثانوی درجہ دیا جائے کیونکہ ۲۴ سالہ تجربہ بتاتا ہے کہ حکومت کے احکام کی ماتحت لوگ پابندی نہیں کرتے اور نہ حکومت ان کی تعمیل کی طرف توجہ دیتی ہے۔

دوم ہائی اسکول تک تمام طلبہ کے لئے اردو کی تعلیم ضروری کر دی

جائے کیونکہ اردو درخواستوں اور اردو دستاویزات کو جاننے اور پڑھنے والے کلرک یا آفیسر آفسوں میں نہ ہوں گے تو یہ حکم بے سود اور بے معنی رہے گا۔

سوئم، حکومت جلد سے جلد کوئی ایسا سرکلر جاری کرے کہ اگر ماتحتوں نے ۵۔۶ یا ۱۰۔۱۵ کی پابندی نہیں کی اور اردو سے متعلق شکایت ملنے پر دو سال کی ترقی بند کر دی جاوے گی اور متعلقہ ماسٹر یا آفیسر کو معطل کیا جا سکتا ہے۔

• سیاست جدید

اردو کی تعلیم کا مطالبہ

فیض آباد۔ فیض آباد کے ممتاز شہریوں اور وکیلوں کے ایک وفد نے شری بھولا ناتھ شری واستوا ایڈووکیٹ کی قیادت میں ساکیت ڈگری کالج کے سکریٹری شری جواہر پرشاد اگروال سے ملاقات کی اور ایک عرضداشت پیش کی جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ ڈگری کالج میں جلد از جلد اردو زبان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے اور ان طلبہ کی پریشانی کو دور کیا جائے جو بی۔اے میں اردو کو بحیثیت مضمون پڑھنا چاہتے ہیں۔

میمورنڈم پر سوا سو ممتاز شہریوں نے دستخط کئے تھے۔ کالج کے سکریٹری نے وفد کی بات ہمدردی کے ساتھ سنی اور یہ وعدہ کیا کہ اس مسئلہ پر جلد از جلد کالج کی انتظامیہ غور کرے گی اور اردو کے سلسلے میں ضروری سہولت دینے کی کوشش کرے گی۔

• قومی آواز لکھنؤ

اردو یونی ورسٹی کے قیام کا مطالبہ

نئی دہلی:۔ مسلم پولیٹیکل کانفرنس کے محرک ڈاکٹر فریدی نے اتر پردیش کے چیف منسٹر اور وزیر اعظم مسز گاندھی سے اردو یونیورسٹی کے قیام کا مطالبہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ دستور کے تحت اردو یونیورسٹی قائم کرنے کی گنجائش ہے۔ انھوں نے تجویز کی کہ یہ یونیورسٹی رامپور میں قائم کی جائے اور اسے سارے اتر پردیش میں اردو ذریعۂ تعلیم کے کالج قائم کرنے کا اختیار دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ جس طرح علی گڑھ اور بنارس یونیورسٹی کی اپنی علٰحدہ تعلیمی پالیسیاں اور ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ امتحانات کے لئے ان کے علٰحدہ بورڈ ہیں اسی طرح اردو یونیورسٹی کو بھی اردو میڈیم تعلیم کے لئے اپنا علٰحدہ بورڈ قائم کرنے کی اجازت دی جانی چاہیئے۔ ڈاکٹر فریدی نے اردو یونیورسٹی کے لئے ایک باقاعدہ اسکیم پیش کی ہے جس کے تحت پوری یونیورسٹی بنے رہنے تک چار سالہ کورس ہوگا۔

ڈاکٹر فریدی نے کہا کہ اردو جیسی زبان کو نظر انداز کرنا ایک المیہ سے کم نہیں۔

انھوں نے کہا کہ سنسکرت زبان کی جو ہندوستان میں کہیں بھی بولی نہیں جاتی۔ حکومت ممکنہ ہمت افزائی کر رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ بڑی بدبختی ہے کہ ایک ایسی زبان کو جو سارے ملک میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

• رہنمائے دکن

پنجابی یونیورسٹی کے طلبہ کو اردو میں بھی جوابات دینے کی اجازت

پٹیالہ: پنجابی یونیورسٹی سینٹ نے جس کی گذشتہ شام میٹنگ ہوئی۔ یونیورسٹی کی لسانی پالیسی میں تبدیلی کی توثیق کر دی۔ یونیورسٹی سنڈیکیٹ نے گجرات میں اپنائی جانے والی لسانی پالیسی پر نئی پالیسی کو ترتیب دیا ہے۔ انڈر گریجویٹ طلبہ کے لئے پنجابی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے اور اسی زبان میں جوابات لکھنے کی تجویز کے ساتھ یہ تجویز بھی رکھی گئی ہے کہ یونیورسٹی کے الحاق رکھنے والے کالج ہندی، انگریزی یا اردو تینوں میں سے کسی ایک زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے میں آزاد رکھے جائیں گے۔ طلبہ کو اس بات کی اجازت بھی دے دی گئی ہے۔ کہ وہ انگریزی، پنجابی، ہندی یا اردو میں اپنے جوابات لکھ سکتے ہیں۔ سینٹ کمیٹی کے خیال میں نیا لسانی فارمولا سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلہ سے مطابقت رکھتا ہے۔

• سیاست کانپور

چار لسانی فارمولا

پنجابی یونی ورسٹی سینٹ نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی یونیورسٹی میں واحد ذریعہ تعلیم پنجابی زبان رہے گی لیکن ان کالجوں میں

جو یونیورسٹی سے ملحق ہیں طلبہ کو اجازت ہوگی کہ وہ چار زبانوں میں سے جس زبان کو چاہیں ذریعہ تعلیم اور ذریعہ امتحان بنائیں اور وہ چار زبانیں یہ ہیں پنجابی، انگریزی، ہندی اور اردو ان زبانوں میں نہ صرف تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ ان میں امتحان بھی دیا جاسکتا ہے اس فیصلہ کا مطلب یہ نہیں کہ طلبہ کو چار زبانوں میں بیک وقت تعلیم حاصل کرنی ہوگی بلکہ طلبہ ان چار زبانوں میں سے جس زبان کو چاہیں ذریعہ تعلیم کے طور پر اختیار کریں اور اس میں امتحان بھی دیں! یہ فیصلہ ذریعہ تعلیم کے لحاظ سے بڑا اہم ہے اور اس میں اردو زبان کے لئے بڑی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اردو کا نصاب بھی مہیا کیا جائے گا اور اردو کے ٹیچروں کا تقرر بھی عمل میں آئے گا پھر اس فیصلہ میں نہ چالیس طلبہ کی قید ہے اور نہ دس طلبہ کی، اگر طلبہ کی تعداد اتنی فرحد ہونی چاہیے کہ ان کے لئے اردو نصاب اور اردو کے ٹیچر مہیا کیا جاسکیں۔ ادارتی نوٹ الجمعیۃ

ساٹھ لاکھ اردو بولنے والوں کے ساتھ

انصاف کا مطالبہ

حیدرآباد۔ سابق ارکان اسمبلی مسرس خواجہ نظام اور احمد حسین نے آج اپنے ایک مشترکہ بیان میں اردو کے تعلق سے حکومت کی پالیسی پر شدید تنقید کی اور ریاست کے (۶۰) لاکھ اردو بولنے والوں کے ساتھ انصاف کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے ساری ریاست میں اجتماعی پروگرام کو روبہ عمل لانے پر زور دیا۔ مشترکہ بیان میں کہا گیا ہے کہ عظیم تر حیدرآباد اور اضلاع تلنگانہ کے علاوہ کڑپہ، کرنول اور اننت پور میں بھی اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور اردو بولنے والوں کی ان علاقوں میں اکثریت ہے لیکن حکومت نے رائے دہندگان کی فہرست کو اردو میں شائع نہ کرنے کا اعلان کرکے اردو داں حلقوں میں تشویش اور بے چینی پیدا کردی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آندھرا پردیش کے ایسے تمام شہروں اور قصبات میں جہاں کم از کم دس فیصد اردو بولنے والے موجود ہوں وہاں رائے دہندوں کی فہرستیں اردو میں بھی شائع کی جائیں۔ عظیم تر حیدرآباد میں اکثریت اردو بولنے والوں کی ہے ایسے مقام پر اردو زبان کو نظر انداز کردینا اردو کے ساتھ ناانصافی کرنے کے مترادف ہے اس لئے اردو والے اس ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں۔ • رہنمائے دکن

اردو کے لئے عملی اقدام کی ضرورت

حیدرآباد۔ جناب یوسف رحمت اللہ آرگنائزر کل ہند مجلس تعمیر ملت نے اپنے بیان میں اردو کے تعلق سے حکومت آندھرا پردیش کی دوغلی پالیسی پر سخت تنقید کی اور کہا کہ حکومت ہمیشہ اردو کے تعلق سے دلخوش بیانات جاری کرتی رہی ہے اور جب عمل کا وقت آتا ہے تو اردو کو یکسر نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ ریاستی قانون ساز کونسل میں وزیر تعلیم کا حالیہ بیان کہ "عظیم تر حیدرآباد میں رائے دہندوں کی فہرستیں اردو میں شائع کرنے کی کوئی تجویز زیر غور نہیں ہے" افسوسناک قرار دیا اور کہا کہ رائے دہندوں کی فہرستوں کا تعلق براہ راست عوام سے ہے اور اس کی اہمیت یوں بھی بڑھ جاتی ہے کہ عوام کو اس سہولت سے اپنے جمہوری حق کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے مواقع حاصل ہوسکتے ہیں جناب یوسف رحمت اللہ نے بیان میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ ڈگری کالجس میں اردو ذریعہ تعلیم سے بھی سیکشن قائم کئے جائیں تاکہ انٹرمیڈیٹ کے اردو ذریعہ تعلیم کے طلبہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع مل سکیں۔

رہنمائے دکن

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن کی ادبی نشست

اردو رائٹرس ایسوسی ایشن (کلکتہ) کی ماہانہ ادبی نشست یوم آزادی کے موقعہ پر منعقد ہوئی اس جلسہ کی صدارت جناب پروفیسر ڈاکٹر عطا کریم برق صاحب (صدر شعبہ عربی و فارسی کلکتہ یونیورسٹی) نے کی۔

پروفیسر جاوید نہال صاحب اور پروفیسر ستارش بدری نے "مغربی بنگال میں اردو ادبی کام کا محاسبہ" اور "تحریک آزادی اور اردو شاعری" کے عنوان سے مقالے پڑھے حضرت برق نے اپنی مشہور جدید نظم "گھر کی مالکہ" سنائی۔

• ایم۔ اے۔ نصر

تصحیح

پرکاش مونس صاحب کے مضمون "بکٹ کہانی کا مصنف" (ہماری زبان ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء) میں "نرپتی ناتھ کا بل دیو راسو" کی جگہ "نرپتی نالھ کا بیسل دیو راسو" (नरपति नाल्ह का बीसल देव रासो) اور "پنڈت رام نراین ترپاٹھی" کی بجائے "پنڈت رام نرش ترپاٹھی" پڑھئے۔

مضمون میں کتابوں کا زمانۂ تصنیف ہر جگہ عیسوی سنوں میں دیا ہوا ہے بعض جگہ غلطی سے ہجری سنہ کا نشان لگ گیا ہے تصحیح فرمالیجئے۔

(ادارہ)

اردو دوستوں کے وفد کی وزیر تعلیم سے ملاقات

بھوپال: محبان اردو کا ایک وفد مدھیہ پردیش کے وزیر تعلیم شری جگدیش نرائن اوستھی سے ملا اور انھیں ایک میمورنڈم پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ اردو میڈیم اسکولوں میں پہلے درجے سے ہندی لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جائے۔ مڈل کے لئے تیار کردہ ٹیسٹ بک کارپوریشن کا نصاب رد کیا جائے اور مڈل ہائر سکنڈری میں سہ لسانی فارمولے پر عمل کیا جائے۔ اردو کا نصاب اور اردو کی درسی کتابیں پرائمری و مڈل کے لئے حکومت خود تیار کرکے دے۔ بھوپال کے پرائمری اسکولوں میں اردو میڈیم کے سیکشن کھولے گئے ہیں ان کی جگہ الگ اردو میڈیم کے اسکول کھولے جائیں۔ ہائر سیکنڈری میں اردو کے لکچرروں کا تقرر کیا جائے۔

اس سلسلے میں ایک وفد مدھیہ پردیش کے وزیر محنت و امداد باہمی جناب کے این۔ دھان سے ملا تھا اور انھیں اس میمورنڈم کی کاپی پیش کی تھی جس پر آپ نے وزیر تعلیم سے فوراً رابطہ قائم کیا اور ان سے شام کا وقت لیا اور انھیں بتایا کہ اس وقت محکمہ تعلیم کے تمام ذمہ داروں کو ہونا چاہیے جب محبان اردو کا وفد شری اوستھی سے ملنے گیا تو وہاں وزیر تعلیم نے محکمہ تعلیم کے سکریٹری، ڈپٹی سکریٹری، ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن اور بورڈ آف ہائر سکنڈری کے چیرمین کو بھی موجود رہنے کے لئے پابند کر رکھا تھا وزیر تعلیم کی ہدایت پر ایجوکیشن سکریٹری نے میمورنڈم پڑھنا شروع کیا تاکہ ایک ایک نکتہ اور مطالبہ پر بحث ہو سکے اور مطالبات کے لئے حکومت کو جو دشواریاں آسکتی ہیں وہ وفد کو بتائی جا سکیں یہ بحث تقریباً تین گھنٹے تک خوشگوار ماحول میں ہوتی رہی اس بحث میں وزیر تعلیم کا واضح رخ وفد کی حمایت میں تھا اردو لیکچرر اور سہ لسانی فارمولے پر عمل نہ ہونے پر آپ نے ڈائرکٹر اور چیرمین بورڈ سے گفتگو کی۔ آپ نے ایجوکیشن کے سکریٹری سے کہا کہ اس میمورنڈم پر عمل کے ذیل میں ایک رپورٹ مجھے جلد پیش کی جائے۔ اگر حکومت کا کوئی سابق حکم ہو تو اس کی ایک کاپی بھیجی جائے تاکہ ہم اسے دوسرے حکم سے بدل دیں۔ اگر مالی دشواریاں ہوں تو اسے بجٹ میں شامل کیا جائے ورنہ وزیر اعلیٰ سے کہہ کر روپیہ لیا جائے اور اگر کوئی پالیسی میٹر ہے تو وہ بھی واضح کیا جائے تاکہ اسے کیبنٹ میں طے کرکے دور کر دیا جائے۔ سکریٹری نے جلد ہی وہ رپورٹ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ آج کی ملاقات کی خاص بات مدھیہ پردیش کے وزیر محنت و امداد باہمی مسٹر کے این پردھان کی میمورنڈم سے دلچسپی اور اس کے حق میں زوردار وکالت تھی۔ جناب کے دھان نے اردو کے مسئلے سے جس دلچسپی کا اظہار کیا ہے اس کا حلقوں میں پرتپاک خیر مقدم کیا جا رہا ہے اور امید ظاہر کی جا رہی ہے کہ یہ مسئلہ اب طے ہو جائے گا۔

نامہ نگار

باقی صفحہ ۱۲ سے آگے

کی قومی زبان کا مرتبہ دلانے کے لئے تحریک زور پکڑتی گئی۔ بالآخر ایک دن وہ آیا جب بنگالی کو ڈھاکہ کے "شہید مینار" کی قیمت پر اردو کے ساتھ قومی زبان کا درجہ حاصل ہو گیا!

بنگالی کی جانب اردو والوں کے اس عجیب و غریب رویہ سے ان کے نفسیاتی خوف کا پتہ چلتا ہے۔ اردو ہندوستان میں ایک مظلوم زبان رہی ہے۔ اس زبان کے بولنے والوں کو ان چرکوں کا پوری طرح علم ہے جو ایک لسانی اقلیت کو سہنا پڑتے ہیں۔ ہندوستان کی آزادی کے چوبیس سال اس زبان کی بربادی کے آئینہ دار ہیں۔ تاہم جب اس زبان کے بولنے والوں کو اختیار و اقتدار ملا تو وہ لسانی اقلیت کی اس منطق کو بھول گئے کہ ہر شخص اور ہر جماعت کو اپنی مادری زبان سے پیار ہوتا ہے، وہ اس کا پیدائشی حق ہے اور اس کے اوپر کسی دوسری زبان کو مسلط کرنا سرتاسر ظلم ہے۔ وہ اس محرومی، مجبوری اور تہذیبی بربادی کا احساس نہ کر سکے جس سے وہ خود ہندوستان میں دوچار ہیں۔ پاکستان جاکر مظلوم، ظالم بن گیا، مجبور، جابر بن گیا۔ ستم کش، ستم گر اور محکوم، حاکم ہو گئے۔

اردو زبان کی تاریخ گواہ ہے کہ یہ زبان جبر سے نہیں اختیار سے پھیلی تھی۔ جھگڑے کا نہیں سمجھوتہ کا پھل تھی، یہ فارسی اور سنسکرت کے پیروں تلے دوب کی طرح دب دب کے نکلی تھی۔ پاکستان جاکر اس نے لسانی آمریت کا چولا اختیار کیا۔ جنتا کے بجائے "ملٹری جنتا" سے ساز باز کیا۔ لیکن شاید اب خون بہا دینے کا وقت آگیا ہے۔ آج بنگالی ہی اس کے خون کا پیاسا نہیں خود اس کے لخت جگر یعنی اہل پنجاب بھی اس سے انحراف پر مائل ہیں۔ پشتو، بلوچی اور سندھی بولنے والوں نے تو اسے کبھی بھی صدق دل کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، لیکن آج "فرزندان اقبال" بھی اس سے منہ پھیرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

کیا اردو کے لئے یہ دور مکافات نہیں؟

لیکن بنگال کی یہ صدا اب بھی سنی جا سکتی ہے:

"بدنصیبی تیرا دروازہ کھٹکھٹا رہی ہے اور پیام دے رہی ہے کہ تیرا سرتاج جاگ رہا ہے اور تجھے بلا رہا ہے ملن کی جگہ پر رات کی تاریکیوں سے!" (ٹیگور)

پروفیسر مسعود حسین خاں

میرا صفحہ

کفّارہ

پاکستان کے موجودہ المیہ میں عبرت کے ایک سے زائد مقام ہیں۔ یہ ایک سبق ہے ان خود سروں کے لئے جو یہ بھول جاتے ہیں کہ رائے عامہ کا احترام بہر حال ضروری ہے۔ یہ ایک تازیانہ ہے ان شہسواروں کے لئے جو ابنائے زمانہ کو آج اپنی ٹھوکروں کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ یہ ایک عذاب ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہوئے بھی یہ نہیں مانتے کہ اکثریت کبھی بھی اقلیت سے علیحدگی اختیار نہیں کرتی۔ یہ ایک خطرہ کا نشان ہے ان لسانی خود پسندوں کے لئے جو اپنی زبان کو منصب روزگار سمجھتے ہیں اور اس کی فوقیت، قومیت کے تمام پرودہ سروں سے منوانے پر تلے رہتے ہیں۔

مشرقی و مغربی پاکستان کا موجودہ المیہ، سیاسی و معاشی ہی نہیں، ایک لسانی واقعہ بالکل بھی ہے۔ میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے جب میں یہ سوچتا ہوں کہ اس المیہ کے ستم گر اردو زبان سے منسوب ہیں۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے ان لسانی آمریت پسندوں نے مسلسل مشرقی پاکستان کے بنگالی بولنے والوں کو یہ باور کرانا چاہا کہ اردو پاکستان کی اساس میں شامل ہے، اور اردو ہی نئی مملکت کی واحد قومی زبان بننے کے اہل ہے۔ یہی بات جاکر اہل بنگال سے با صد طمطراق قائد اعظم نے کہی۔ یہی کھلا دھوکا بابائے اردو اور دوسرے بازی گر زکھائے مہاجرین دیتے رہے۔ لیکن بنگال میں اس لسانی آمریت کی مخالفت ابتدا سے ہوتی رہی۔ قائد اعظم کے عین اس اعلان کے وقت کہ "اردو اور صرف اردو نئی مملکت کی قومی زبان ہوگی" شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت میں بنگال کے طلبہ نے بنگالی زندہ باد کا نعرہ لگایا اور خود کو پولیس کے حوالہ کر دیا۔ بظاہر قائد اعظم کا ارشاد خاموشی بن کر جلسہ گاہ پر چھا گیا۔ دوسرے دن جلی سرخیوں میں اخباروں نے سارے پاکستان میں مشتہر بھی کر دیا کہ اردو پاکستان کی واحد قومی زبان کے منصب پر فائز کر دی گئی۔

لیکن مجیب اور ان کے ساتھیوں کے بظاہر اس کمزور احتجاج کے پس پشت خاموش نارضامندی کا وہ ساگر لہریں مارتا رہا جو بنگلہ دیش اور بنگلہ زبان کی اتھاہ محبت سے لبریز تھا۔ یہ اردو مہاجرین اور پنجاب کے اردو دانوں کی کوتاہ نظری تھی کہ نہ تو وہ مشرقی بنگال کے لوگوں کی امنگوں اور مانگوں کو سمجھ سکے اور نہ انھوں نے ان کی مادری زبان کی عظمت اور حیثیت کو پہچانا۔

جوں جوں بنگلہ زبان کی حمایت میں آواز بلند ہوتی گئی مغربی پاکستان کے اردو نواز لسانی استیلا کے پینترے بدلتے گئے۔ ابتدا میں یہ تجویز کی گئی کہ بنگالی زبان کا رسم خط بدل دیا جائے۔ چوں کہ مشرقی بنگال میں اردو اور اردو بولنے والوں کے خلاف ایک تاریخی تعصب تقسیم ہند کے قبل سے موجود تھا اور "بہاری" کی عام اصطلاح میں وہ ان تمام اردو دانوں کو سمیٹ لیتے تھے جو بنگال میں رہتے ہوئے ایک نسلی و لسانی تفاخر کی بناء پر بنگال سے دور رہتے تھے، اس لئے اردو رسم خط کو اختیار کرنے کا مشورہ تعصب کے اس ماحول میں دینا بعید از عقل ہوتا چنانچہ کراچی سے یہ اشارہ ملا کہ بنگالیوں کی اسلامیت اور عربی دوستی کے جذبہ سے فائدہ اٹھا کر انھیں یہ کہا جائے کہ بنگالی کے لئے "حروف القرآن" اختیار کیا جائے۔ لیکن بنگال کے اہل دانش نے اس تجویز کے پیچھے جو نیت اور منصوبہ تھا اس کو پا لیا اور ڈھاکہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ نے اس تجویز کو فریب کا جال قرار دے کر اس کی سخت مخالفت کی۔ جب "حروف القرآن" کا جادو بھی نہ چل سکا تو تجویز نے یہ رخ اختیار کیا کہ بنگالی کو اسلامی بنانے کے لئے اس میں عربی، فارسی الفاظ کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں شامل کیا جائے۔ مشرقی بنگال کی زبان یوں بھی اسلامی لفظیات کا خاصہ ذخیرہ رکھتی ہے۔ از منہ وسطیٰ میں اس کے لئے عربی رسم خط بھی گاہ گاہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس پر قناعت نہ کر کے اور اس کو سنسکرت کے طلسم سے باہر نکالنے کے لئے یہ تحریک شد و مد سے چلائی گئی کہ اردو کی طرح اسے بھی عربی، فارسی الفاظ سے مملو کر دیا جائے۔ چنانچہ نئی نسل کے کچھ ادیبوں نے اس التزام کے ساتھ ادبی تخلیق بھی شروع کر دی، اور انھیں کو بنگالی زبان کا سچا نمائندہ سمجھا گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ سیاسی خود مختاری کی لہر کے ساتھ ساتھ اس کا پردہ بھی فاش ہوتا گیا اور بنگالی کو پاکستان

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا
REGD-NO-L-922 ۲۹ فون نمبر R-NO- 2186/57